سعادت حسن منٹو کے افسانوں میں آزادی کی بازگشت

ڈاکٹر تحسین بی بی

Dr. Tehseen Bibi

Head of Urdu Department,

Women University, Sawabi (KPK)

Abstract:

In the history of Urdu fiction Saadat Hassan Munto is an important and revolutionary name.He is the first one to develop the ideas of realism and naturalism. Munto's short stories are dealing with political, social, psychological problems side by side ideology of independenc and different problems which are faced after independence. We can see courage and boldness in his writings. He deals ideology of independence in his writings which is described in this article. This article discusses independenc, its stimulus, responses and other facts in great detail.

سعادت حسن منٹو(۱۱مئی ۱۹۱۲ء تا ۱۸جنوری ۱۹۵۵ء) اردو افسانے کی تاریخ کا سب سے اہم افسانہ نگار ہے، جو ہماری معاشرتی، سیاسی اور عمرانی صورتحال کا بے باک نقاد اور نکتہ چیں ہے۔ وہ اردو افسانے میں انقلاب آفریں تبدیلیوں کے ساتھ سامنے آیا اور اس نے افسانے کو نئے موضوعات، نیا شعور اور ادب کو نیا زاویہ نظر دیا۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں اپنے عہد کے سیاسی معاشی اور نفسیاتی مسائل کے ساتھ ساتھ آزادی کی بازگشت کو خوبصورتی سے اجاگر کیا ہے۔ ان کے وسیع اور گہرے تخلیقی معروض میں اس دور کا پورا ہندوستان سیاسی وسماجی حوالے سے جیتا جاگتا دکھائی دیتا ہے۔

منٹو اردو ادب کا پہلا ادیب ہے جس کے ہاں حقیقت نگاری اور فطرت نگاری کے رجحانات پروان چڑھے ہیں۔ وہ حقیقت پسند انسان تھا جس کے ہاں آزادی کا شعور استحصالی بنیادوں پر قائم اپنے زوال آمادہ معروض سے قطعاً دکھائی نہیں دیتا۔ وہ اس معاشرے کی عکاسی کرتے ہیں جس میں انھوں نے آنکھ کھولی تھی۔ یہی ان کا سماجی مسلک تھا۔ اپنے عہد کے تلخ سماجی حقائق کو انھوں نے اپنے مخصوص رنگ میں پیش کیا۔ اس ضمن میں وہ خود کہتے ہیں:

''زمانے کے جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اگر آپ اس سے ناواقف ہیں تو میرے افسانے پڑھیے۔ اگر آپ ان افسانوں کو برداشت نہیں کر سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ ناقابل برداشت ہے۔''(۱)

موضوعات کے اعتبار سے منٹو کے افسانے نفسیاتی، سیاسی اور سماجی مسائل پر مبنی ہیں۔ آزادی، فسادات، طوائف اور جنسی مسائل کے موضوع پر بھی انھوں نے کھل کر لکھا ہے۔ یوں پورے دور کی حقیقتیں اور تلخیاں اس کے افسانوں کا جزو بن گئیں۔ منٹو کے ہاں ابتدائی دور کے افسانوں میں اشتراکیت کی حمایت میں جو بے باکی اور جرأت مندی نظر آتی ہے وہ کسی اور افسانہ نگار کے ہاں دکھائی نہیں دیتی۔ ان کی اس باغیانہ اور انقلابی سوچ کے حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

''منٹو کتنا بڑا باغی اور انقلابی تھا۔ اس کے سینے میں برطانوی سامراج کے خلاف کیسا لاوا ابل رہا تھا، سرمایہ درانہ نظام اور طبقاتی استحصال سے اسے کتنی نفرت تھی ۔۔۔اس کا اندازہ فی الواقع منٹو کے ابتدائی افسانوں ہی سے ہوتا ہے۔''(۲)

اس کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''آتش پارے''(۱۹۳۶ء) انقلابی جوش اور اشتراکی نظریات سے وابستگی کا آئینہ دار ہے۔ اس مجموعے کا عنوان ہی انقلابی اور ہنگامی اشتعال کو ظاہر کرتا ہے۔ اس مجموعے کے بارے میں منٹو خود دیباچے میں لکھتے ہیں:

''یہ افسانے دبی ہوئی چنگاریاں ہیں۔ ان کو شعلوں میں تبدیل کرنا پڑھنے والوں کا کام ہے۔''(۳)

منٹو نے اپنا پہلا طبع زاد افسانہ ''تماشا''(۱۹۳۴ء) کے عنوان سے لکھا جو ان کے افسانوی مجموعے ''آتش پارے'' میں شامل ہے۔ یہ افسانہ حکمران طبقے کی بربریت کی مذمت میں جلیانوالہ باغ کے خونی حادثے کی ایک روداد ہے۔ جو جنگِ آزادی کے جذبہ میں ملوث ایک سحر انگیز تاثیر رکھتا ہے۔:

''اب اسے یقین ہوگیا کہ فضا کا غیر معمولی سکون، طیاروں کی پرواز، بازاروں کی مسلح پولیس کا گشت، لوگوں کے چہروں پر اداسی کا عالم اور خونی آندھیوں کی آمد کسی خوفناک حادثے کی پیش خیمہ تھیں۔''(۴)

افسانہ ''دیوانہ شاعر'' میں جلیانوالہ باغ کے حادثے کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے جس کے پس منظر میں ایک اثر انگیز کہانی بیان کی گئی ہے جس میں آزادی کی امنگ ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اس افسانے میں ان کی انقلاب پسندی سر چڑھ کر بولتی ہے:

''آواز اس کنویں کے قریب سے بلند ہو رہی ہے جس میں آج سے
کچھ سال پہلے لاشوں کا ایک انبار لگا ہوا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی
میرے دماغ میں جلیانوالہ باغ کے خونی حادثے کی ایک تصویر کھچ
گئی۔''(۵)

منٹو نے سیاست اور آزادی سے وابستہ موضوعات پر خاصی تعداد میں افسانے تحریر کیے ہیں جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے عصری سیاسی رجحانات اور تحریکوں کے اثرات کے ساتھ ساتھ آزادی کے واقعات اور حادثات میں دلچسپی رکھتا ہے۔ منٹو کے آزادی کے موضوعات پر مبنی اہم افسانوں میں ''نیا قانون''، ''شغل''، ''نعرہ''، ''ماتمی جلسہ''، ''سٹوڈنٹ یونین کیمپ''، ''موم بتی کے آنسو''، ''پھولوں کی سازش'' وغیرہ شامل ہیں۔

افسانہ ''نیا قانون'' میں منٹو نے آزادی کو موضوع بنایا ہے۔ یہ افسانہ ایک طرف عالمی منظر نامے کو سمیٹتا ہے اور دوسری طرف ہندوستانی سماج کی عکاسی کرتا ہے۔ نیا قانون اصل میں غلام معاشرے کے اندر دبی ہوئی اس خواہش کو سامنے لاتا ہے جو لاشعوری طور پر آزادی کی علامت ہے۔

منٹو نے ایک بڑے انقلاب کی ضرورت کو ابھار کر سامراجی ہتھکنڈوں کی قلعی کھولی ہے کہ جبر کے نظام میں ہر نئی تبدیلی ظالم کے ہاتھ مضبوط کرتی ہے۔ یہاں پر بے بسی اور بغاوت گھل مل گئے ہیں۔ افسانے میں منگو کوچوان کا کردار کچلے ہوئے پس ماندہ ہندوستانی عوام کی علامت ہے۔ منگو ان پڑھ ہونے کے باوجود سیاست سے دلچسپی رکھتا ہے۔ اسے انگریزوں سے بڑی نفرت ہے۔ اس کے نزدیک وہ ہندوستان میں اپنا سکہ چلاتے اور لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اسی وجہ سے وہ اکثر کہا کرتا:

''آگ لینے آئے تھے۔ اب گھر کے مالک ہی بن گئے۔ ناک میں
دم کر رکھا ہے۔ ان بندروں کی اولاد نے یوں رعب گانٹھتے ہیں گویا
ہم ان کے باوا کے نوکر ہیں۔''(۶)

اسی زمانے کا ایک اور افسانہ ''شغل'' سامراجی نظام کے خلاف ایک کھلا احتجاج ہے۔ اشتراکی نقطۂ نظر کا حامل افسانہ ''نعرہ'' بھی اہم مقام رکھتا ہے۔ اس کا پس منظر بھی سیاسی اور آزادی کی تقویت سے متعلق ہے۔ افسانہ ''اسٹوڈنٹ یونین کیمپ'' کانگریس کی سول نافرمانی کی یادگار ہے۔ افسانہ ''ماتمی جلسہ'' میں آزادی کے لیے جوش اور ولولے کے جذبات ہیں۔ اس افسانے میں مسلمانوں کی عمومی نفسیات اور سیاسی جذباتیت کا عکس واضح نظر آتا ہے۔ اس میں تحریک خلافت اور اتاترک مصطفیٰ کمال کی وفات پر برصغیر کے مسلمانوں کا جو ردعمل تھا اس کی عکاسی کی گئی ہے:

''بڑے افسوس کی بات ہے۔ اب ہندوستان کا کیا ہوگا؟ میں نے
سنا تھا یہ مصطفیٰ کمال یہاں پر حملہ کرنے والا ہے۔ ہم آزاد

ہو جاتے۔ مسلمان قوم آگے بڑھ جاتی......افسوس تقدیر کے ساتھ
کسی کی پیش نہیں چلتی۔'' (۷)

منٹو کا مشاہدہ بڑا احساس اور تیز ہے۔ آزادی کی تحریک کا کوئی پہلو بھی اس کی گرفت سے نہیں بچ سکا۔ افسانہ ''پھولوں کی سازش'' کا موضوع انقلاب ہے۔ اس میں بغاوت کا نظریہ سر اٹھاتا نظر آتا ہے:

''باغ میں جتنے پھول تھے سب کے سب باغی ہو گئے۔ گلاب کے
سینے میں بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔'' (۸)

انھوں نے اپنے افسانوں میں آزادی کے تمام پہلوؤں پر جس طرح تقسیم برصغیر سے پہلے قلم اٹھایا۔ اپنی اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے انھوں نے ان تمام پہلوؤں کی عکاسی تقسیم ہند کے بعد بھی کی ہے۔ منٹو کی بے باک حقیقت نگاری کے بارے میں وارث علوی لکھتے ہیں:

''اگر غزل کا شعر ڈراما ہے تو منٹو کا ہر افسانہ غزل کا شعر۔ ہم اس
کے افسانوں کو شخصی ارتسامات نہیں سمجھتے اور خارجی حقیقت کا بیان
سمجھتے ہیں یہ اس کی حقیقت نگاری کا کارنامہ ہے۔'' (۹)

منٹو ایک حساس محبّ وطن انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باشعور سماج شناس بھی ہے۔ جو وطن کو غیروں کی غلامی سے آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔ تقسیم ہند کا اعلان ایک سیاسی فیصلہ تھا اور اس فیصلے سے پیدا ہونے والی قیامت صغریٰ، قتل و غارت، فسادات اور تقسیم کے تناظر میں چونکانے والے افسانے منٹو نے بھی تحریر کیے۔

قیام پاکستان کے بعد مقامی لوگوں کا رویہ، مہاجرین کی افراتفری، اور ایک سیاسی نظام کی عدم موجودگی کسی بڑے سانحے سے کم نہ تھی۔ لوگوں میں پھیلی ہوئی مایوسی سیاسی آدرش کی شکست کا سبب بنتی معلوم ہو رہی تھی۔ منٹو کے نزدیک ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کی منزل ''آزادی'' ایک تھی۔ لیکن مقامی لیڈروں نے آزادی کے عمل میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کے لیے مذہبی بنیادوں پر منافرت اور انتقام کا بیج بو دیا۔ جس کے نتیجے میں گلیوں، بازاروں، شہروں اور دیہاتوں میں ہر طرف لاشوں کے انبار نظر آنے لگے۔ اس صورتِ واقعہ پر لاتعلق انتظامیہ نے فسادات کے عمل کو آسان بنانے کے لیے اور راہیں ہموار کیں اور یوں اس انارکی سسٹم نے یہاں کے ادیبوں کو مختلف انداز سے متاثر کیا۔ یہ زمانہ ''۱۹۴۷ء'' خوف و ہراس، انارکی اور بربریت کا عہد ہے۔ اسی وجہ سے فرقہ ورانہ فسادات آزادی کے سیاسی و تاریخی عمل میں ایک دوسرے کی ہلاکت کے بارے میں واضح فیصلہ چاہتے تھے۔ منٹو نے اس آزادی کے دوران اور آزادی کے بعد ہونے والے انفرادی و اجتماعی واقعات اور مسائل کو اپنی کہانیوں میں خوبصورتی سے سمیٹا ہے۔ انھوں نے ان فسادات کے بعد کی سیاسی، معاشی و اقتصادی لوٹ مار کی طرف بھی توجہ دی ہے۔ غرض زندگی کے بہت سے پہلو منٹو کے افسانوں کے موضوعات ہیں۔ جن کو اس

نے اپنے مشاہدے کی گہرائی کے ساتھ پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔ بقول وقار عظیم:

> ''تقسیم کے بعد اردو کے کسی افسانہ نگار نے اتنے افسانے نہیں لکھے جتنے منٹو نے، لیکن جس انداز سے لکھے ہیں وہ ان کے مزاج اور فنِ زندگی سے پوری طرح مطابقت اور ہم آہنگی رکھتا ہے۔''(۱۰)

۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۵ء کے عرصے تک منٹو کے کل چودہ (۱۴) کے قریب افسانوی مجموعوں کے علاوہ مضامین کے مجموعے شائع ہوئے۔ پاکستان بننے کے بعد آزادی اور اس کے بعد کے حالات وواقعات کے ساتھ فسادات اور انسانی بے بسی اور بربریت کے واقعات پر اس نے نہایت دلکش افسانے لکھے ہیں جس کا اظہار انیس ناگی یوں کرتے ہیں:

> ''اردو ادب میں منٹو کے سوا کسی دوسرے ادیب نے فسادات کے بے حد اہم موضوع کا احاطہ اتنی گہرائی سے نہیں کیا۔''(۱۱)

منٹو نے فسادات سے متعلق لکھے گئے افسانوں میں انسانی جبلت کی بربریت کے حوالے سے مذہبی، سیاسی اور اخلاقی نظاموں کی بے اثری کی عکاسی کرتے ہوئے ۱۹۴۷ء کے حادثات کے موقع پر معاشرے کی دبیز تہوں میں چھپے ہوئے پہلوؤں کو خوبصورتی سے بے نقاب کیا ہے۔

فسادات کے ضمن میں اس کی حقیقت پسندانہ تحریروں نے یہ سچ کر دکھایا کہ مروجہ سیاسی، سماجی اور اخلاقی نظام کھوکھلا ہو گیا ہے۔ یہ سب دراصل ناکام سماجی، سیاسی سسٹم کی اجتماعی گھٹن کا بے ساختہ ردِعمل تھے۔ منٹو ساری عمر جن انسانی منافقتوں کو عیاں کرنے کے لیے کوششیں کرتا رہا، وہ ساری منافقتیں ۱۹۴۷ء کے فسادات میں برہنہ ہو کر منظرِ عام پر آ گئیں۔ انیس ناگی نے منٹو کے فسادات کے موضوع پر افسانوں کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے:

> ''۱۔ پہلی قسم کے افسانوں میں فسادات کو پسِ منظر کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔
>
> ۲۔ دوسری قسم کے افسانوں میں فسادات کو براہِ راست موضوع بنایا گیا ہے۔
>
> ۳۔ تیسری قسم کے افسانوں میں فسادات کے بعد کی صورت حال کو پیش کیا گیا ہے۔''(۱۲)

یہاں پہلی قسم کے افسانوں کی ذیل میں ''سراج''، ''ہرنام کور''، ''اللہ دتا''، دوسری قسم کے افسانے ''سہائے''، ''رام کھلاون''، ''شریفن''، ''موذیل'' تو تیسری قسم کے افسانوں میں ''بسم اللہ''، ''کھول دو''، ''ٹوبہ ٹیک سنگھ''، ''انجام بخیر'' اور ''یزید'' وغیرہ شامل ہیں۔

منٹو نے فرقہ واریت، تقسیم ہند، فرقہ ورانہ فسادات پر افسانے لکھ کر ایک پورے عہد کی

نمائندگی کی ہے۔منٹو کا افسانوی مجموعہ ''سیاہ حاشیے'' فسادات کے موضوع کی عکاسی کرتا ہے اس مجموعے کے علاوہ منٹو کے افسانے ''کھول دو''، ''ٹھنڈا گوشت''، ''شریفن''، ''موذیل''، ''ٹوبہ ٹیک سنگھ''، ''پرنام کور''، ''ڈارلنگ''، ''شہید ساز''، ''آخری سیلوٹ''، ''ٹیٹوال کا کتا''، ''گورمکھ سنگھ کی وصیت''، ''رام کھلاون''، ''دوقومیں'' اور ''یزید'' کے علاوہ کئی دوسرے افسانے آزدی کی تحریک، تقسیم ہند کے دوران اور بعد کے حالات، ظلم وستم، بربریت، انسانی استحصال اور ستم ظرازی کو بے نقاب کیا ہے۔

تقسیم ملک کے فوراً بعد منٹو کا اولین افسانوی مجموعہ ''سیاہ حاشیے'' منظر عام پر آیا جس میں تقسیم کے دوران اور بعد آزادی کے حوالے سے رونما ہونے والے حالات و واقعات کی داستان بیان کی گئی ہے۔جس نے ہندوستان اور پاکستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔''سیاہ حاشیے'' ایسے افسانوں کا مجموعوں ہے جس میں صرف فسادات کے ایسے کی عکاسی کی گئی۔فسادات کے موضوع پر ان کا یہ مجموعہ زہر خند کی حیثیت رکھتا ہے۔انھوں نے APHORISM کے ذریعے ۱۹۴۷ء کے واقعات مضحکہ خیز انداز میں بیان کیے ہیں:

> ''سیاہ حاشیے'' میں فسادات کے پس منظر میں انسان کی ایسی تصویریں دکھانے کی کوشش ہے، جس میں آدمی مظلوم ہے اور آدمی ہی ظالم۔''(۱۳)

اس مجموعے میں منٹو نے فنِ افسانہ نگاری کو ایک نئے آہنگ میں پیش کیا۔''سیاہ حاشیے'' میں بظاہر بتیس (۳۲) مختصر افسانے شامل ہیں۔ان افسانوں میں منٹو نے فسادات کے دوران رونما ہونے والی لوٹ مار، اغواء، قتل وغارت کی عکاسی نہایت بے باکی سے کی ہے۔بقول ڈاکٹر انوار احمد:

> ''سیاہ حاشیے'' میں منٹو کی Irony جس معراج کو پہنچی شاید ہی 'ٹوبہ ٹیک سنگھ' کے سوا کسی اور تحریر میں ایسا ہوا ہو۔اس نے قتل وغارت، آتش زنی، لوٹ مار، عصمت دری، مذہبی اشتعال اور حیوانیت کے اس جنگل میں ایک عجیب الاؤ روشن کیا۔''(۱۴)

منٹو کے افسانوی مجموعہ ''سیاہ حاشیے'' کے بارے میں 'یوسف ظفر' یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

> ''سیاہ حاشیے فسادات کی تاریخ کا ایک ایسا گھناؤنا ورق ہے، جس پر انسان کی بنیادی کمزوریاں اور خودغرضیاں مرقوم ہیں۔منٹو نے ایک مختصر سے پیمانے پر اس قتل وغارت کی وسعت کا نقشہ کھینچا ہے۔''(۱۵)

''سیاہ حاشیے'' میں شامل پہلے حصے کے افسانوں میں پہلا افسانہ ''مزدوری'' مجموعے کا طویل افسانہ ہے۔اس افسانے میں فسادات کے پس منظر میں غربت، افلاس، اس سے نمو پانے والے انسانی کرب اور مجبوری کی عکاسی خوبصورتی سے کی گئی ہے۔افسانہ ''حیوانیت، رعایت، اور گھاٹے کا سودا'' میں

منٹو نے عورتوں کے اغوا اور ان کے استحصال کو موضوع بنایا ہے۔افسانہ''استقلال'' میں منٹو نے ظلم و ستم کا شکار ہونے والے افراد کے ردِ عمل کو بیان کیا ہے۔ یہ افسانہ ایک مسلمان کے صرف ایک جملے پر مشتمل ہے:

''میں سکھ بننے کے لیے ہرگز تیار نہیں...... میرا استرا واپس کر دو مجھے۔''(۱۶)

افسانہ''کرامات'' میں منٹو نے فسادات کے دوران لوٹ مار کرنے والوں کے خلاف پولیس کے ناروا سلوک اور لوگوں کی ضعیف الاعتقادی کو موضوع بنایا ہے:

''لوٹا ہوا مال برآمد کرنے کے لیے پولیس نے چھاپے مارنے شروع کیے۔ لوگ ڈر کے مارے لوٹا ہوا مال رات کے اندھیرے میں باہر پھینکنے لگے۔ کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنا مال بھی موقعہ پا کر اپنے سے علیحدہ کر دیا تاکہ قانونی گرفت سے بچے رہیں۔''(۱۷)

افسانہ''قسمت'' اور''اشتراکیت'' میں منٹو نے فسادات کے دوران محفوظ مقامات کی طرف ہجرت کرنیوالوں کو لوٹنے کی واردات کو موضوع بحث بنایا ہے۔اسی طرح افسانہ''تعاون'' اور''دعوتِ عمل'' میں بھی منٹو نے فسادات کے دوران بلوائیوں کی لوٹ مار کو موضوع بنایا ہے۔افسانہ''مناسب کاروائی'' میں بلوائیوں کے حملوں اور لوٹ مار کی عکاسی کی گئی ہے۔''سیاہ حاشیے'' میں شامل مختصر ترین افسانوں میں سے ایک افسانہ''آرام کی ضرورت'' ہے۔منٹو کا یہ افسانہ صرف دو مکالموں پر مشتمل ہے:

''مرا نہیں۔ دیکھو ابھی جان باقی ہے۔''

''رہنے دو یار۔ میں تھک گیا ہوں۔''(۱۸)

افسانہ''ہمیشہ کی چھٹی'' میں منٹو نے ایک طالبعلم کو بلوائیوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے ہوئے دکھایا ہے:

''مجھے نہ مارو۔ مجھے نہ مارو۔ میں تعطیلوں میں اپنے گھر جا رہا ہوں۔''(۱۹)

ان کا ایک اور افسانہ''ساعتِ شیریں'' ایک طنزیہ افسانہ ہے۔جس میں مہاتما جی کے قتل کے بعد ہندوستان کی فرقہ ورانہ ذہنیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔کہ انھوں نے اس واقعے پر کس طرح اظہار مسرت کیا:

''اطلاع موصول ہوئی ہے کہ مہاتما گاندھی کی موت پر اظہار مسرت کے لیے امرتسر، گوالیار اور بمبئی میں کئی جگہ لوگوں میں شیرینی بانٹی گئی۔''(۲۰)

منٹو نے افسانہ''پیش بندی'' اور''نگرانی'' میں فسادات کے دوران سامراجی پولیس اور فوج کی سرپرستی میں پیش آنے والی وارداتوں کا ذکر نہایت خوبی سے کیا ہے۔ان افسانوں کی مثالوں کے

ذریعے سے یہ بات ابھر کر سامنے آ رہی ہے کہ منٹو نے ۱۹۴۷ء کی آزادی کے فسادات کے دوران میں رونما ہونے والی لُوٹ مار، قتل و غارت گری، عورتوں کے اغوا، عصمت دری اور غریبوں کے استحصال و ظلم کی تصویر کشی اس خوبی سے کی ہے کہ کسی اور افسانہ نگار کے بس کا کام نہیں تھا۔ ''سیاہ حاشیے'' کے افسانے اپنے اختصار میں ایسے ایسے تیر اور نشتر چھپائے ہیں جو ہر حساس انسان کو آزادی ہند کے اندوہناک اور غیر انسانی واقعات پر دہشت طاری کرنے کے ساتھ خون کے آنسو رلاتے ہیں۔ ''حسن عسکری'' نے منٹو کے ان افسانوں کے بارے میں یوں اظہار خیال کیا ہے:

> ''فسادات کے متعلق جتنے بھی افسانے لکھے گئے۔ ان میں منٹو کے یہ چھوٹے چھوٹے لطیفے سب سے زیادہ ہولناک اور سب سے زیادہ رجائیت آمیز ہیں۔'' (۲۱)

پاکستان آنے کے بعد منٹو کا دوسرا افسانوی مجموعہ ''خالی بوتلیں، خالی ڈبے'' ہے جس میں ان کے فسادات سے متعلق مشہور افسانے ''سہائے''، ''رام کھلاون''، بسم اللہ'' اور ''دو قومیں'' وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات ایک اجتماعی گھٹن کا اظہار تھے۔ یہ گھٹن سیاسی، جنسی اور تمدنی تھی۔ جس نے تشدد کے راستے اپنی تشفی کرنے کی کوشش کی۔ افسانہ ''سہائے'' آزادی ہندوستان کے وقت وسیع پیانے پر سامنے آنے والے فسادات کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ اس افسانے میں منٹو نے اپنے مخصوص موضوع سے ہٹ کر اپنے خیالات کو پیش کیا ہے۔۔ یہاں پر فسادات کے دوران انسان نے انسان کو مذہب کے نام پر جس طرح لوٹا وہ منٹو کے لیے ایک تکلیف دہ عمل تھا:

> ''یہ مت کہو کہ ایک لاکھ ہندو اور ایک لاکھ مسلمان مرے۔ یہ کہو کہ دو لاکھ انسان مرے ہیں اور یہ اتنی بڑی ٹریجڈی نہیں کہ دو لاکھ انسان مرے ہیں۔ ٹریجڈی اصل میں یہ ہے کہ مارنے والے کسی بھی کھاتے میں نہیں گئے۔۔۔ وہ لوگ کتنے بے وقوف ہیں جو سمجھتے ہیں کہ بندوقوں سے مذہب شکار کیے جا سکتے ہیں۔ مذہب، دین، ایمان، دھرم، یقین، عقیدت...... یہ جو کچھ بھی ہے ہمارے جسم میں نہیں روح میں ہوتا ہے۔'' (۲۲)

اس افسانے میں منٹو نے برصغیر کی تقسیم سے پہلے اور بعد آزادی سے متعلق جو وسیع پیانے پر ہنگامے ہوئے اس کے پس منظر میں جو نفسیاتی محرکات تھے اس کو بھی نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ اور یہی ثابت کرتا ہے کہ دھرم، مذہب اور فرقہ سے اوپر بھی ایک رشتہ ہوتا ہے جسے انسانیت کا رشتہ کہتے ہیں۔ بقول پروفیسر صغیر افراہیم:

> ''منٹو نے ''سہائے'' میں پیدا شدہ صدمے اور اس کے ردعمل کو

اجاگر کیا ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ تعصب سے پاک ایسا دل کہاں
سے لایا جائے، جیسا سہائے کے دل میں تھا۔''(۲۳)

منٹو نے افسانہ'' رام کھلاون، بسم اللہ،اور دو قومیں'' میں بھی آزادی کے خلاف ابھرنے والے فرقہ ورانہ فسادات کو موضوع بنایا ہے۔

افسانوی مجموعہ'' ٹھنڈا گوشت'' (۱۹۵۰ء) میں شامل افسانہ'' ٹھنڈا گوشت'' بھی ہندو مسلم فرقہ ورانہ فساد پر تمام افسانوں میں اپنی نوعیت کا واحد افسانہ ہے جس میں انسانیت بے حسی اور ذلت کے تاریک غاروں سے آواز دیتی نظر آتی ہے۔ یہ افسانہ انسانی فطرت میں موجود تشدد کو ابھار کر انسانوں میں غیر انسانی رویوں کو سامنے لاتا ہے جو سیاسی و معاشرتی انتشار کی بدولت ان کے باطن میں پرورش پاتے ہیں اور موقع ملتے ہی انسان کو غیر انسان میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد اس افسانے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''ٹھنڈا گوشت'' بھی بظاہر فسادات کے موضوع پر لکھا جانے والا
افسانہ ہے۔''(۲۴)

منٹو کے افسانوی مجموعہ'' نمرود کی خدائی'' (۱۹۵۰ء) میں آزادی وفسادات کے حوالے سے اہم افسانے'' کھول دو''، ''سوراج کے لیے''، ''ڈارلنگ''، ''عزت کے لیے''، ''شریفن''، ''ہرنام کور'' اور'' شہید ساز'' شامل ہیں۔

منٹو کا تقسیم ہند وآزادی اور بالخصوص فسادات پر سب سے مؤثر اور سنگین افسانہ'' کھول دو'' ہے۔ فسادات کے موضوع پر مشتمل منٹو کا یہ افسانہ دکھ کی ایسی کہانی ہے جو انسان کی انسانیت پر ایک کاری زخم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس افسانے میں منٹو کا فن عروج پر نظر آتا ہے اور یہاں انسانیت ایک ایسے خوفناک اور بھیانک روپ میں سامنے آتی ہے کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

افسانہ'' کھول دو' میں سراج الدین امرتسر سے مغل پورہ ٹرین کے ذریعے پہنچتا ہے اور جب ہوش میں آتا ہے، تو اس کے پاس کچھ نہیں بچتا اپنا، گھر، بیوی اور بیٹی سب کچھ کھو دیتا ہے:

''گدلے آسمان کی طرف بغیر کسی ارادے کے دیکھتے دیکھتے سراج
الدین کی نگاہیں سورج سے ٹکرائیں۔ تیز روشنی اس کے وجود کے
رگ و ریشے میں اتر گئی، اور وہ جاگ اٹھا، اوپر تلے اس کے دماغ
میں کئی تصویریں دوڑ گئیں۔ لُوٹ، آگ، بھاگم بھاگ، اسٹیشن،
گولیاں، رات اور سا کینہ......سراج الدین ایک دم کھڑا ہو گیا اور
پاگلوں کی طرح اس نے اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے انسانوں
کے سمندر کو کھنگالنا شروع کیا۔ پورے تین گھنٹے وہ سکینہ، سکینہ پکار

تارہا مگر اپنی جوان اوراکلوتی بیٹی کا کوئی پتہ نہ چلا۔'' (۲۵)

سراج الدین نے اپنی بیٹی سکینہ کو بہت ڈھونڈا مگر وہ نہ ملی اور آخر کار رضا کاروں کو اپنی بیٹی کا حلیہ بتا کر ان سے گزارش کی وہ اس کی بیٹی کو ڈھونڈیں اور وہ رضا کاروں کو امرتسر کے راستے پر ملتی ہے۔ وہ بھاگی لیکن رضا کاروں نے دوڑ کر پکڑ لیا اور ان آٹھ رضا کاروں نے بلا امتیاز مذہب وملت، اس کو زندہ لاش بنا دیا۔ اس افسانے میں وحشت، بربریت، سارے ظلم اور مادر زاد ننگی تصویریں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ ڈاکٹر فوزیہ اسلم کا کہنا ہے کہ:

''منٹو کا افسانہ ''کھول دو'' اس لحاظ سے ایک لافانی افسانہ ہے کہ اس میں ایسے واقعے کی تہہ میں اترنے کی کوشش کی گئی ہے جس کو دوسرے ایک منظر کے طور پر دیکھ رہے تھے۔ پاکستان داخل ہونے والی سکینہ جسے رضا کار محافظ بن کر ملتے ہیں اور ایک زندہ لاش کی طرح اس کو چھوڑ جاتے ہیں اس کے پس پشت انسان کے اندر چھپے ہوئے جانور اور وحشی کو منٹو نے جس طرح بے نقاب کیا ہے اس میں اس کے انوکھے ذہن کا کمال ہے۔'' (۲۶)

افسانہ ''سوراج کے لیے'' کا موضوع آزادیٔ ہندوستان سے پہلے سیاسی حالات و واقعات اور جلیانوالہ باغ کے سانحے کے بعد کی صورت حال ہے۔ اس افسانے میں ہندوستان کی سیاسی زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں سے ابھر کر سامنے آتی ہے۔ جس میں تلخیاں اور جذباتی رنگ شامل ہے۔ اس افسانے میں ایسی فضا کا ذکر کیا گیا ہے جس میں آزادیٔ وطن کے لیے ہندوستان کے جیالے کسی بھی قسم کی قربانی دینے کو تیار تھے۔ نعرے، جلسے، جلوس، انقلابی سرگرمیاں، کانگریس کا ترنگا، گرفتاریاں اور لوگوں کا آزادی کے لیے قربانی دینے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا۔ ان سب واقعات کو نہایت خوبی سے سمیٹا گیا ہے۔ ''سوراج کے لیے'' کا ہیرو غلام علی جلیانوالہ باغ میں ایک پُر جوش تقریر کرتا ہے۔ جس کا ذکر منٹو یوں کرتا ہے:

''شام کو جلیانوالہ باغ کھچا کھچ بھرا تھا، میں کیونکہ جلدی آیا تھا، اس لیے مجھے پلیٹ فارم کے پاس ہی جگہ مل گئی، غلام علی تالیوں کے شور کے ساتھ نمودار ہوا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک وہ بولتا رہا۔ اس دوران میں کئی بار میرے رونگٹے کھڑے ہوئے اور ایک دو دفعہ تو میرے جسم میں بڑی شدت سے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں بم کی طرح پھٹ جاؤں۔ اس وقت میں نے شاید یہی خیال کیا تھا کہ یوں پھٹ جانے سے ہندوستان آزاد ہو جائے گا۔'' (۲۷)

غلام علی جوشیلا، ہردلعزیز نوجوان ہے۔ وہ ایک اچھا مقرر ہے، اس کے سیاسی میدان میں آگے بڑھنے کے امکانات زیادہ ہیں۔ کیونکہ اس کے اندر آزادی کے لیے جان تک دینے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ایک جگہ پر وہ ہندوستان کی آزادی کے راستے میں حائل رکاوٹوں کا ذکر یوں کرتا ہے:

> ''ہندوستان کو سوراج اس لیے نہیں مل رہا ہے کہ یہاں مداری زیادہ ہیں اور لیڈر کم۔ جو ہیں وہ قوانین فطرت کے خلاف چلا رہے ہیں۔ ایمان اور صاف دلی کا برتھ کنٹرول کرنے کے لیے ان لوگوں نے سیاست ایجاد کر لی ہے، اور یہی سیاست ہے جس نے آزادی کے رحم کا منہ بند کر دیا۔''(۲۸)

افسانہ ''ڈارلنگ'' بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے خالصتاً ہندوستان کی سیاسی تاریخ اور سماجی ماحول کی نشاندہی کرتا ہے۔ افسانہ ''شریفن'' میں فسادات کے سفاک حالات و واقعات کی عکاسی بہت خوبی سے کی گئی ہے۔

منٹو نے تقسیم کے خارجی واقعے کو انسانی نفسیات کی تفتیش کا اساسی حوالہ بنا کر ہمارے سامنے لا کھڑا کیا اور پوری توجہ اس نقطے پر ٹھہرائی ہے کہ مہذب زندگی کا دعویٰ کرنے والا انسان کیوں کر اور کیسے دیوانگی اور جنون میں حیوانی سطح کو بھی پار کر جاتا ہے۔ لیکن اس کا ضمیر اس کو ملامت ضرور کرتا ہے۔ اس حوالے سے ''ممتاز شیریں''، ''منٹو: نوری نہ ناری'' میں لکھتی ہیں:

> ''فسادات کے دوران...... انسان انسان نہ رہا، حیوان بلکہ درندہ بن گیا تھا، لیکن منٹو کا انسان پر اعتماد اتنا ہی قوی تھا کہ اس وقت بھی اُسے اس انسان سے مایوسی نہیں ہوئی۔ فسادات پر لکھتے ہوئے جہاں ہمارے بہت سے ادیبوں نے انسان کی اس بہیمیت اور درندگی پر توجہ دلائی، منٹو نے بار بار ہمیں اس کا یقین دلایا کہ انسان حیوان بن کر بھی اپنی انسانیت کھو نہیں سکتا۔''(۲۹)

منٹو نے تقسیم کے سیاسی، ثقافتی اور عمرانی عوامل و رجحان پر لکھتے وقت کسی فرد واحد یا گروہ پر جرم عائد نہیں کیا بلکہ خارجی حالات و واقعات کے تحت انسان کی پسپائی اس کی حیوانیت اور پھر خود احتسابی عمل کو پیش کیا ہے۔ افسانہ ''ہرنام کور'' میں منٹو نے تقسیم ہندوستان کے دوران جو لوٹ مار مچی اور قتل و غارت برپا ہوا اس کی تصویر کشی کچھ اس طرح سے کی ہے:

> ''ایک دم جانے کیا ہوا۔ خبر آئی کہ ملک بٹ گیا ہے۔ ہندو مسلمان الگ الگ ہو گئے ہیں۔ بس پھر کیا تھا، چاروں طرف بھگدڑ سی مچ گئی۔ چل چلاؤ شروع ہو گیا اور پھر سننے میں آیا کہ ہزاروں کی تعداد

میں لوگ مارے جا رہے ہیں۔''(۳۰)

منٹو کے افسانوی مجموعے''یزید'' (۱۹۵۱ء) میں شامل افسانوں میں مشاہدہ کی باریک بینی اور غور و فکر کی گہرائی ابھر کر سامنے آتی ہے۔منٹو کے اس افسانوی مجموعے''یزید'' میں بھی آزادی کی جھلکیاں بکھری ہوئی نظر آتی ہیں جو کہ اس کے افسانوں میں کہیں فسادات کے حوالے سے تو کہیں ۱۹۴۷ء کے بعد کے فرقہ ورایت حالات و واقعات کی صورت میں نمایاں ہیں۔اس حوالے سے اس کے اہم افسانے''یزید''، ''گورمکھ سنگھ کی وصیت''، ''آخری سیلوٹ''، ''جھوٹی کہانی''، ''ٹیٹوال کا کتا''، ''۱۹۱۹ء کی ایک بات'' وغیرہ اہم ہیں۔

افسانہ''یزید'' میں منٹو تقسیم ہندوستان کے فسادات کے بعد کے حالات کی عکاسی کرتے ہیں اور افسانہ''گورمکھ سنگھ کی وصیت'' ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فساد کے دوران میاں عبدالحیٔ ریٹائرڈ سب جج اور ان کے بچوں کے ساتھ کی گئی بدسلوکی کی دل دوز داستان ہے۔گورمکھ سنگھ ہر سال عید کے موقع پر جج صاحب کے یہاں سویاں بھیجتا ہے۔اب اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اس کی وصیت کے مطابق سویاں دینے آتا ہے، لیکن اس سال عید فسادات کے شعلوں میں آتی ہے، جو آزادی کے وقت بھڑک اٹھے۔عبدالحیٔ جو کہ فالج زدہ ہیں اس کے علاوہ گھر میں ایک سہمی وڑری ہوئی جوان بیٹی اور خوف زدہ چھوٹا بیٹا ہے۔شہر میں ہر طرف دھواں، آگ اور بم دھماکے ہو رہے ہیں۔اس صورت حال میں بھی سنتو کھ سنگھ سویاں لے کر جج صاحب کے یہاں آتا ہے اور جب سویاں دے کر اپنا فرض ادا کر کے واپس جا رہا ہوتا ہے تو اس کا آگے کا فرض ملاحظہ ہو کہ آیا وہ اپنے باپ کی وصیت پر کتنا عمل کرتا ہے:

''سردار گورمکھ سنگھ کا لڑکا سنتو کھ جج صاحب کے مکان کے تھڑے سے اتر کر چند گز آگے بڑھا تو چار ڈھاٹا باندھے ہوئے آدمی اس کے پاس آئے دو کے پاس جلتی مشعلیں تھیں اور دو کے پاس مٹی کے تیل کے کنستر اور کچھ دوسری آتش خیز چیزیں۔ایک نے سنتو کھ سے پوچھا:

'کیوں سردار جی! اپنا کام کر آئے؟'

سنتو کھ نے سر ہلا کر جواب دیا! 'ہاں کر آیا۔'

اس آدمی نے ڈھاٹے کے اندر ہنس کر پوچھا 'تو کر دیں معاملہ ٹھنڈا جج صاحب کا؟'

'ہاں...... جیسے تمہاری مرضی!' یہ کہہ کر سردار گورمکھ سنگھ کا لڑکا چل دیا۔''(۳۱)

گویا بلوائیوں نے اپنا فرض ادا کیا اور گورمکھ سنگھ نے جو جج صاحب سے سو پشتوں سے احسان

کا بدلہ نہ ادا کر سکنے کی بات کی تھی، سنتو کھ سنگھ نے اسے پہلی ہی پشت میں اتار دیا۔

۱۹۴۸ء میں جب کشمیر کی آزادی کی جنگ شروع ہوئی، تو منٹو نے پاک بھارت دونوں طرف کے فوجیوں کی سرگرمیوں، امنگوں اور یادوں کا تذکرہ سیاسی، جغرافیائی اور معاشی حوالے سے خوبصورتی سے اپنے افسانوں ''آخری سیلوٹ''، ''جھوٹی کہانی''، اور ''ٹیٹوال کا کتا'' میں کیا ہے۔

افسانہ ''آخری سیلوٹ'' میں اس نے کشمیر کے الحاق کی جنگ جو کہ پاک بھارت کے درمیان شروع ہوئی اس کا احوال بیان کیا ہے تو افسانہ ''ٹیٹوال کا کتا'' میں بھی منٹو نے کشمیر کی آزادی کے تنازعے پر ہندوستان اور پاکستان کی جنگ کا پس منظر بیان کیا ہے جو ٹیٹوال کے پہاڑی علاقے میں جاری تھی:

> ''اس علاقے میں کافی دیر سے لڑائی جاری تھی۔ ایک ایک پہاڑی کے لیے درجنوں جوانوں کی جان جاتی تھی، پھر بھی قبضہ غیر یقینی ہوتا تھا۔ آج یہ پہاڑی ان کے پاس ہے کل دشمن کے پاس، پرسوں پھر ان کے قبضے میں۔'' (۳۲)

منٹو نے ہندوستانی اور بالخصوص پاکستان کے سیاسی پس منظر میں کامیاب افسانے لکھے ہیں۔ وقار عظیم کی رائے اس حقیقت کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے:

> ''بڑھتے ہوئے سیاسی حبس کی ترجمانی تقریباً ہر جگہ ہے۔ لیکن اس کے عملی مظاہروں کے نقوش ہمیں منٹو کے افسانوں میں جتنے ابھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، کسی اور کے یہاں نہیں دکھائی دیتے۔'' (۳۳)

منٹو کی فکر کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور صنعتی استحصال کے خلاف ہے۔ سیاسی غلامی اور نوآبادیاتی نظام سے منٹو کو نفرت ہے تو جاگیردرانہ دور کے معاشرتی اور اخلاقی رویوں کا وہ جانی دشمن ہے۔ منٹو سامراجی ظلم و ستم کا نشانہ بننے والے اور آزادی کی راہ میں جان قربان کر دینے والے حریت پسند نوجوانوں پر برسائے جانے والے مظالم اور دکھ والم کو کبھی بھی نہ بھول سکا اور جلیانوالہ باغ کے خونیں حادثے کے واقعہ کے برسوں بعد بھی وہ ان واقعات کو حیرت انگیز یادداشت اور چشمِ تصور کے ذریعے اپنے افسانوں کا موضوع بنا کر انھیں لازوال تخلیقی مرتبہ عطا کرتا ہے۔ افسانہ ''۱۹۱۹ء کی ایک بات'' میں رولٹ ایکٹ اور جلیانوالہ باغ کے قتلِ عام کی داستان کی تفصیل اور اس کے خلاف احتجاجی مظاہروں کی تفصیلات کو نہایت خوبصورتی سے قلم بند کیا ہے:

> ''یہ ۱۹۱۹ء کی بات ہے۔ بھائی جان! جب رولٹ ایکٹ کے خلاف سارے پنجاب میں ایجی ٹیشن ہو رہی تھی۔ میں امرتسر کی بات کر رہا ہوں۔ سر مائیکل اوڈوائر نے ڈیفنس آف انڈیا رُولز کے

تحت گاندھی جی کا داخلہ پنجاب میں بند کر دیا تھا۔ وہ ادھر آ رہے تھے
کہ ہلوال کے مقام پر ان کو روک لیا گیا اور گرفتار کر کے واپس بمبئی
بھیج دیا گیا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، بھائی جان اگر انگریز یہ غلطی
نہ کرتا تو جلیانوالہ باغ کا حادثہ اس کی حکمرانی کی سیاہ تاریخ میں
ایسے خونیں ورق کا اضافہ کبھی نہ کرتا۔'' (۳۴)

انگریزوں کی بربریت اور ان کی سفاکیت بھی اس افسانے میں عروج پر دکھائی دیتی ہے:

'' جلیانوالہ باغ کا خونیں حادثہ رونما ہوا......قریب قریب پچیس
ہزار کا مجمع تھا۔ شام کے قریب جنرل ڈائر مسلح گورکھوں اور سکھوں
کے ساتھ (جلسہ گاہ) پہنچا اور نہتے آدمیوں پر گولیوں کی بارش شروع
کر دی......ایک ہزار ہلاک اور تین یا چار ہزار کے قریب لوگ زخمی
ہوئے۔'' (۳۵)

منٹو کے افسانوی مجموعہ ''سڑک کے کنارے'' (۱۹۵۳ء) میں شامل افسانہ ''موذیل'' بھی فرقہ وارانہ فسادات اور آزادی کے حوالے سے ایک کامیاب افسانہ ہے۔اسی طرح ان کا افسانہ ''موتری'' بھی برصغیر میں آزادی کی جنگ کی جذباتیت کو ایک تاریخی تناظر دیتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں سرزمینوں پر وہاں کے باشندوں کو ظلم و ستم کے ایک عظیم سانحے سے گزرنا پڑا، اور فرقہ واریت نے ذہن و زمین پر ایک ایسی دیوار کھڑی کر دی جہاں سب کچھ ایک سے دو ہو کر بٹ گیا اور صدیوں پرانے افراد جدا ہونے کے ساتھ ساتھ ملک و ملت بھی جُدا ہو گئے۔ افسانہ ''خدا کی قسم'' میں منٹو نے فسادات کے دوران ہجرت کے المیے اور مہاجرین کی آبادکاری کے مسئلہ کو موضوع بنایا ہے:

''ادھر سے مسلمان اور ادھر سے ہندو ابھی تک آ جا رہے تھے،
کیمپوں کے کیمپ بھرے پڑے تھے جن میں ضرب المثل کے تل
دھرنے کے لیے واقعی کوئی جگہ نہ تھی، لیکن اس کے باوجود ان میں
ٹھونسے جا رہے تھے۔'' (۳۶)

افسانوی مجموعہ ''پھندنے'' (۱۹۵۵ء) میں منٹو کا مشہور اور لازوال افسانہ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' جو آزادی اور تقسیم ہندوستان کی روح پر لکھا گیا انسانی فطرت کے بنیادی جوہر تک رسائی اور ثقافتی و سیاسی تشخص کی اہمیت کی انمول مثال ہے۔ تقسیم کے موضوع پر لکھا گیا یہ افسانہ اردو کے شاہکار افسانوں میں شمار ہوتا ہے۔ افسانہ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' میں معنویت کی کئی سطحیں ہیں۔ منٹو نے آزادی کے سیاسی مفہوم کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس عہد کے آدمی کے ذہن پر سیاسی حالات کے پڑنے والے اثرات کی بھی عکاسی کی ہے۔

افسانہ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' میں مرکزی کردار 'بش سنگھ' (ٹوبہ ٹیک سنگھ) کا ہے۔ افسانے میں منٹو کا مشاہدہ حیران کن ہے۔ اس افسانے میں تقریباً بارہ قسم کے پاگلوں کو پیش کیا گیا ہے۔ جو اپنی گفتگو اور حرکات سے آزادی ہند کی تردید کرتے ہیں۔ یہاں دونوں ملکوں کے درمیان سیاسی قیدیوں کی طرح پاگلوں کا تبادلہ کا مرحلہ طے کیا جاتا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار ''بش سنگھ'' جسے پاگل خانے میں داخل ہوئے پندرہ سال گزر چکے تھے وہ سرحدوں کے دائرے تقسیم ملک میں نہیں رہنا چاہتا بلکہ وہ اپنے وطن میں رہنا چاہتا ہے جہاں وہ پیدا ہوا، اور پروان چڑھا ہے۔ بقول انیس ناگی:

> ''بڑے سیاسی فیصلوں اور تاریخی حادثات کا اثر انسان کے ذہن، اس کے عمل کے قرینہ حیات اور اس کے پورے وجود کو متاثر کرتا ہے۔ مثلاً اسے فیصلہ کرنا پڑتا ہے وہ کہاں رہے گا۔ کون سے نظام میں رہے گا اور وہ نہیں جانتا کہ اس کا فیصلہ صحیح ہوگا یا غلط، منٹو اس تردد کا فیصلہ ایک پاگل کے ذہن میں رکھتا ہے۔'' (۳۷)

سرحد پر جب تبادلہ شروع ہوا تو اس وقت پاگل ادھر ادھر بھاگ رہے تھے اور سپاہی انھیں کھینچ کھینچ کر لاتے اور جب بش سنگھ کی باری آئی تو اس نے سپاہیوں سے ٹوبہ ٹیک سنگھ کے بارے میں پتہ کیا کہ وہ کہاں ہے۔ سپاہیوں نے بہت کہا کہ وہ ہندوستان چلا گیا ہے لیکن بش سنگھ کے ہاں برطانوی ہند سے ہجرت کر کے آزاد بھارت میں داخل ہونے یا آزاد پاکستان کے نئے شب و روز سے آنکھیں چار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور بش سنگھ اپنی جگہ ساکت ہو چکا تھا:

> ''سورج نکلنے سے پہلے ساکت و صامت بش سنگھ کے حلق سے ایک فلک شگاف چیخ نکلی۔ ادھر ادھر سے کئی افسر دوڑے آئے اور دیکھا کہ وہ آدمی جو پندرہ برس تک اپنی ٹانگوں پر کھڑا رہا تھا، اوندھے منہ لیٹا ہے۔ ادھر خاردار تاروں کے پیچھے ہندوستاں تھا۔ ادھر ویسے ہی پاکستان۔ درمیان میں زمین کے اس ٹکڑے پر، جس کا کوئی نام نہیں تھا۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ پڑا تھا۔'' (۳۸)

منٹو نے یہ افسانہ عام طرز نگارش سے ہٹ کر لکھا ہے اور یہ پاگل سکھ ایک افسانوی کردار سے بلند ہو کر علامت کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ وہ اپنے زمانہ کی تاریخ سے کچھ سوالات کرتا ہے جو آج بھی جواب طلب ہیں۔ اس افسانے کا خاتمہ المیاتی طنز کی ایک اہم مثال ہے اور انسان دشمن سیاسی عمل کی نفی کا اس سے موثر اظہار اور کہیں بھی نہیں دکھائی دیتا۔ یہ افسانہ نہ صرف آزادی کے بعد فسادات کے المیے کو ابھارتا ہے بلکہ اس خطۂ امن کی تلاش کو بھی اجاگر کرتا ہے جہاں انسان کا دشمن انسان نہیں ہوگا اور یہاں پر اصل چیز اپنی سرزمین سے رشتے کے بارے میں منٹو کا ایک اہم تصور ہے۔ سراج منیر کے الفاظ میں:

''شعور رشتوں کے خاتمے کے ساتھ بش سنگھ کا اپنا خاندان، اپنی بیٹی سب کے سب اس کے ذہن سے محو ہو چکے ہیں۔ لیکن اس کی زمین ٹوبہ ٹیک سنگھ اس کے لیے ایک نقطہ ارتکاز بن گئی ہے۔ اس پس منظر میں حکومتوں سے لے کر سپرنٹنڈوں تک کی ساری کاروائیاں، بے معنی اور بے کار نظر آتی ہیں، اور اگر کوئی چیز معنی رکھتی ہے تو بش سنگھ کا Menia اور اپنی سرزمین سے اس کا تعلق۔'' (۳۹)

اس منفرد کردار سے منٹو کی اردو افسانہ نگاری میں انفرادیت واضح ہوتی نظر آتی ہے۔ سچ تو یہ کہ وہ ایک حساس اور حقیقت نگار ادیب تھا اس نے اپنے اردگرد پھیلے واقعات کو دیکھ کر اپنی آنکھیں بند نہیں کیں۔ اس کے علاوہ اس کے افسانوں میں اس کی توجہ انارکی اور انسانی سفاکی رہی۔ منٹو کسی بھی سیاسی جماعت سے باقاعدہ وابستہ نہیں رہا پھر بھی اس کے افسانے، مضامین اور مرکزی نکات اس کی فکری جہات اور نظریاتی رویوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اپنی زبردست قوت ارادی اور ہر طرح کے سیاسی ماحول میں رہتے ہوئے، معاشرے کی ناہمواریوں اور نامساعد حالات کا مقابلہ اس نے بڑی بے باکی وجرأت کے ساتھ کیا ہے۔ وہ سامراجی نظام کے انہدام کے حق میں تھا کیونکہ اس کے نزدیک اس نظام نے انسان سے اس کی آزادی چھین لی تھی۔ بقول ڈاکٹر انوار احمد:

''قیامِ پاکستان کے بعد مسلم لیگ کے لیڈروں اور بیشتر ورکروں نے پاکستان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ قومی تاریخ کا دردناک باب ہے ناجائز الاٹمنٹیں، روٹ پرمٹ، امپورٹ لائسنس تو خیر ہوئے ہی، بدترین فسطائیت اور آمریت بھی حُبِ وطن کی اجارہ داری کے زعم میں نافذ کرنے کی کوشش کی گئی۔'' (۴۰)

منٹو واحد بے باک ونڈر فنکار ہے جس نے پاکستان کے ابتدائی چند سالوں میں نمودار ہونے والے منفی رجحانات کا تجزیہ نہایت خوبی سے کیا ہے۔ تقسیم کے بعد اس نے دوسرے افسانہ نگاروں کی نسبت زیادہ افسانے لکھے۔ اپنے تخیّل وتصور کی نُدرت اور بیان کی تازگی وشگفتگی کے زورِ بازو اپنے قارئین کو یہ یقین دلایا کہ اس کے مشاہدے میں اب بھی باریکی، فکر میں گہرائی اور اظہار کی تاثیر میں کسی قسم کی کمی نہیں ہے۔ منٹو ایک ایسا حقیقت نگار ہے جس کے اسلوب کی بے باکی اس کی خاص شناخت ہے۔ وہ تلخ حقائق کو بیان کرنے میں کسی پہلو کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتا اور کم سے کم الفاظ میں اپنا مدعا بیان کر دیتا ہے۔ وہ کہانی کی بُنت سے پوری طرح واقف تھا اور کہانی بنانے کا فن اس سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ بقول وارث علوی:

''وہ اپنے افسانوں میں کسی ایک خیال یا نظریے کو ثابت کرنے کی

بجائے اپنے ہر افسانے میں ایک نئے تجربے کو پیش کرتا ہے۔
چاہے وہ خیال دوسرے افسانوں کے خیالات کی ضد ہی کیوں نہ
ہو۔''(۴۱)

منٹو کے افسانے اپنے عہد کی سیاسی وسماجی تاریخ کے آئینہ دار ہیں۔انھوں نے سیاسی وسماجی مسائل اور آزادی کے پرچار کو موضوع بنایا۔طبقاتی تفریق، جبر وتشدد، سماجی بے رحمی، معاشی بدحالی، ریا و فریب، جھوٹ اور بے ایمانی ہر بے انصافی کے خلاف وہ اپنے افسانوں میں سراپا احتجاج نظر آتے ہیں۔ غرض اس کے افسانوں میں اس کی حب الوطنی اور آزادی کا شعور و بازگشت جابجا بکھری ہوئی نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سعادت حسن منٹو، لذت سنگ، لاہور: ۱۹۴۷ء، ص:۲۰
۲۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور افسانہ نگار، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص:۱۳۲
۳۔ سعادت حسن منٹو، آتش پارے، لاہور: اردو بک سٹال، ۱۹۳۶ء، ص:۴
۴۔ سعادت حسن منٹو، تماشا، مشمولہ: آتش پارے، ایضاً، ص:۸۰
۵۔ سعادت حسن منٹو، دیوانہ شاعر، مشمولہ: آتش پارے، ایضاً، ص:۱۰۴-۰۵
۶۔ سعادت حسن منٹو، نیا قانون، مشمولہ: منٹو کے افسانے، دہلی: ساقی بک ڈپو، ۱۹۴۰ء، ص:۲۱
۷۔ سعادت حسن منٹو، ماتمی جلسہ، مشمولہ: دھواں، دہلی: ساقی بک ڈپو، ۱۹۴۱ء، ص:۹۹
۸۔ سعادت حسن منٹو، پھولوں کی سازش، مشمولہ: دھواں، ایضاً، ص:۶۰
۹۔ وارث علوی، مرتب: منٹو ایک مطالعہ، اسلام آباد: الحمرا پبلشنگ، جنوری ۲۰۰۳ء، ص:۶۴
۱۰۔ وقار عظیم، پروفیسر، داستان سے افسانے تک، کراچی: اردو اکیڈمی، ۱۹۹۰ء، ص:۳۳۲
۱۱۔ انیس ناگی، سعادت حسن منٹو، لاہور: مکتبہ جمالیات، ۱۹۸۴ء، ص:۸۶
۱۲۔ ایضاً، ص:۸۲
۱۳۔ وقار عظیم، پروفیسر، داستان سے افسانے تک، ایضاً، ص:۳۲۲
۱۴۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ۔ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص:۲۵۲
۱۵۔ یوسف ظفر، بحوالہ: سیاہ حاشیے تجزیاتی مطالعہ، سجاد شیخ، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص:۱۴۳
۱۶۔ سعادت حسن منٹو، استقلال، مشمولہ: سیاہ حاشیے، لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۴۸ء، ص:۵۱
۱۷۔ سعادت حسن منٹو، کرامات، ایضاً، ص:۳۶
۱۸۔ سعادت حسن منٹو، آرام کی ضرورت، ایضاً، ص:۶۲
۱۹۔ سعادت حسن منٹو، ہمیشہ کی چھٹی، ایضاً، ص:۴۴
۲۰۔ سعادت حسن منٹو، ساعتِ شیریں، ایضاً، ص:۱۷

۲۱۔ حسن عسکری، حاشیہ آرائی، مشمولہ: سیاہ حاشیے، ایضاً، ص:۱٦
۲۲۔ سعادت حسن منٹو، سہارے، مشمولہ: خالی بوتلیں، خالی ڈبے، لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۵۰ء، ص:۳۲
۲۳۔ صغیر افراہیم، پروفیسر، اردو کا افسانوی ادب، علی گڑھ: مسلم ایجوکیشنل، ۲۰۱۰ء، ص:۲۰۲
۲۴۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ۔ایک صدی کا قصہ، ایضاً، ص:۲۵۴
۲۵۔ سعادت حسن منٹو، کھول دو، مشمولہ: نمرود کی خدائی، لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۵۰ء، ص:۷
۲٦۔ فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء، ص:۳۰۴
۲۷۔ سعادت حسن منٹو، سوراج کے لیے، مشمولہ: نمرود کی خدائی، ایضاً، ص:۱۸
۲۸۔ ایضاً، ص:۴۱
۲۹۔ ممتاز شیریں، منٹو: نوری نہ ناری، ص:۱۱۵
۳۰۔ سعادت حسن منٹو، ہرنام کور، مشمولہ: منٹو کہانیاں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص:۸۷
۳۱۔ سعادت حسن منٹو، گورمکھ سنگھ کی وصیت، مشمولہ، یزید، لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۵۱ء، ص:۳۴
۳۲۔ سعادت حسن منٹو، ٹیٹوال کا کتا، ایضاً، ص:۹۷
۳۳۔ وقار عظیم، پروفیسر، نیا افسانہ، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۵۷ء، ص:۱٦۸
۳۴۔ سعادت حسن، منٹو، ۱۹۱۹ء کی ایک بات، مشمولہ: یزید، ایضاً: ص:۸۹
۳۵۔ ایضاً، ص:۹٦
۳٦۔ سعادت حسن منٹو، خدا کی قسم، مشمولہ: منٹو کہانیاں، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص:۱۸۳
۳۷۔ انیس ناگی، سعادت حسن منٹو، ایضاً، ص:۳۱۵
۳۸۔ سعادت حسن منٹو، ٹوبہ ٹیک سنگھ، مشمولہ: پھندنے، لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۵۵ء، ص:۲۰
۳۹۔ سراج منیر، کہانی رنگ، لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۱ء، ص:۲۱
۴۰۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ۔ایک صدی کا قصہ، ایضاً، ص:۲٦۱
۴۱۔ وارث علوی، منٹو ایک مطالعہ، اسلام آباد: الحمرا پبلشنگ، جنوری ۲۰۰۳ء، ص:٦۸

☆......☆......☆